حقیقتوں کے جاننے کا ذریعہ کیا ہے؟

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی، سابق ڈین آف تھیالوجی ڈپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

قسط - ۲

(۵) یہ غلطیاں کس نے پکڑیں؟

ہم سب جانتے ہیں کہ حواس سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بھی آپ نے غور فرمایا کہ کس طاقت نے حواس کی کلائی پکڑی اور ان کی غلطیوں کے راز کو فاش کیا؟

ہماری عقل نے بہت سے سامنے آنے والے واقعات اور حادثوں کا ایک دوسرے پر قیاس اور ان کے درمیان موازنہ کر کے نتیجہ نکالا اور قابو پایا ہے۔

یہ عقل کا فیصلہ ہے کہ دو ضدوں کا ایک جگہ اور ایک وقت میں اکٹھا ہونا محال ہے۔ غلط فہمی نہ ہو جہاں تک تجربہ اور مشاہدہ کا تعلق ہے ان سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ دو ضدیں بیک وقت ایک مقام پر جمع نہیں ہوتی ہیں، لیکن ان کے اکٹھا ہونے کے غیر ممکن اور محال ہونے کا فیصلہ ہرگز تجربہ اور مشاہدے کا کام نہیں ہے بلکہ اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ اصول بھی تجربے کا بنایا ہوا نہیں ہے کہ ''دو ایسی چیزیں کہ جو ایک دوسرے کی ضد ہوں'' جیسے سیاہی اور سفیدی، جیسے گرمی اور سردی، جیسے بہادری اور بزدلی، جیسے ہلکا اور بھاری ہونا کبھی کسی ایک جگہ جمع نہیں ہوتی ہیں۔

اس اصول کی روشنی میں عقل کا فیصلہ ہے کہ ایک عدد پانی بیک وقت گرم ٹھنڈا نہیں ہوسکتا۔ یقینا ایسا ہی ہے کہ جب پہلے ہمارا داہنا ہاتھ گرم پانی میں اور بایاں ہاتھ ٹھنڈے پانی میں رہے، پھر دونوں کو ایک ساتھ معتدل اور گنگنے پانی میں ڈبویا جائے تو دونوں ہاتھوں کے فیصلے اسی ایک پانی کے متعلق مختلف ہوں گے، داہنا ہاتھ کہے گا کہ وہ ٹھنڈا اور بایاں ہاتھ کہے گا کہ وہ گرم ہے۔ اس مقام پر عقل آگے بڑھتی اور کہتی ہے کہ یہ دونوں ہاتھ جھوٹ بول رہے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی وقت میں ایک پانی گرم اور ٹھنڈا ہو۔ ہماری قوت لامسہ دھوکا دے رہی ہے۔ وہ سابق پانیوں کے زیر اثر آ گئی ہے۔ اس میں واقعیت تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رہ گئی ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں حواس کی غلطی پکڑنے کے سلسلے میں ایک تسلیم شدہ قانون کی مدد سے عقل اور ذہن کی کارگزاری نمایاں ہوتی ہے۔

(۶) محسوسات میں کیا ہوتا ہے؟

انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ جو چیزیں ہمارے ظاہری یا باطنی حواس کے دائرے میں داخل ہیں ان کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے احساس کی طاقتیں کافی ہیں، حالانکہ ان مقامات پر بھی فیصلہ کرنا حواس کے بس کی بات نہیں ہے، مثلاً آنکھ کا کام صرف یہ ہے کہ وہ آگ کو دیکھ لیتی ہے، لیکن اس کی بابت یہ فیصلہ کرنا کہ وہ جلانے کی خاصیت رکھتی ہے عقل کا کام ہے۔ بے شک احساس کی طاقتیں عقل کی مددگار ہیں، وہ ان کے سہارے سے محسوسات کے متعلق فیصلے کرتی ہے، لیکن فیصلے کی کرسی پر عقل ہوا کرتی ہے، ہمارے ظاہری یا باطنی حواس نہیں۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے جسم کا کوئی حصہ جب کسی چیز سے متاثر ہوتا ہے تو ہماری قوت احساس کو جس کا مرکز ہمارے اعصاب ہیں صرف اس کا پتہ چلتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی خاتون چولہے کے پاس بیٹھی چپاتیاں پکا رہی تھیں۔ توا چولہے پر رکھا تھا۔ اسے آگ نے اچھی طرح گرم کر دیا۔ توے

پر روٹی ڈالتے یا اس سے اتارتے وقت ان کی انگلی میں توے نے چرکا لگا دیا، انگلی جل گئی، اس میں جلن ہونے لگی۔ وہ خاتون جلنے کی تکلیف سے بلبلا اٹھیں۔ سوزش اور تکلیف ہونا کیا ہے؟ آگ سے ہمارے جسم کے کسی حصہ کا متاثر ہونا، قدرت نے جو حواس آدمی کو دیئے ہیں ان میں سے ایک قوت لامسہ ہے۔ جلن اور سوزش کا احساس اسی قوت لامسہ کا کام ہے۔ اگر یہ قوت ہمارے جسم کی کھال میں نہ ہوتو ہم بلاتکلف دن رات انگاروں کے بچھونے پر چین سے سوتے رہیں، ہمیں رتی بھر تکلیف محسوس نہ ہو۔

قوت لامسہ سوزش اور جلن محسوس کر کے خاموش ہوجاتی ہے۔ وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں بتاتی، اسے اس کا تک پتہ نہیں ہے کہ ہمارے جسم سے باہر کوئی چیز ہے جس نے ان مساۃ کی انگلی کو بے رحمی سے جلا دیا ہے۔ ہاں اس مقام پر عقل آگے بڑھتی اور کہتی ہے کہ کوئی اثر بغیر مؤثر کے وجود میں نہیں آ سکتا۔ یہ انگلی خود بخود نہیں جل سکتی۔ کسی بیرونی چیز نے اسے اذیت پہنچائی ہے، تب اس میں جلن اور سوزش پیدا ہوئی ہے۔ وہ ظالم بیرونی چیز آگ ہے جس میں جلانے کی طاقت اور صلاحیت ہے۔

کسی شاندار کوٹھی کے باغیچے میں گلاب کا پھول نظر آیا۔ ہماری آنکھوں پر اس کا اثر پڑا۔ اس کی خوشنما تصویر آنکھوں کے ذریعہ ہمارے صفحۂ ذہن پر چھپ گئی۔ قوت باصرہ کا کام یہیں پر ختم ہوگیا۔ اسی کے ساتھ ہمارے دماغ میں اس کی بھینی بھینی دل لبھانے والی خوشبو بس گئی۔ یہ قوت شامہ کا اس سے متاثر ہونا ہے۔ اگر وہ صحیح وسالم اور تندرست ہے تو اس نے اپنی ذات سے متعلق قدرتی فریضہ کو پورا کر دیا۔ اس جگہ جہاں تک ہماری آنکھوں کا تعلق ہے وہ اتنا بھی نہیں بتاتیں کہ جس پھول کا فوٹو ہمارے ذہن میں آیا ہے وہ خود ہمارے ذہن کی چار دیواری سے باہر موجود ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جب کوئی چیز آئینے کے سامنے آئے تو اس کا عکس آئینے میں آ جاتا ہے۔ اس کا فقط یہی کام ہے کہ جو شئی اس کے مقابل آئے وہ اس کی تصویر لے لے۔ لیکن یہ فیصلہ کہ بیرونی دنیا میں کوئی چیز موجود ہے جس کا عکس آئینے میں اترا ہے آئینہ نہیں کرسکتا۔ یوں ہی حاسۂ باصرہ بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ میرے حدود کے باہر کوئی صاحب تصویر موجود ہے جس کا فوٹو میں نے بنا لیا ہے۔ آنکھیں نہیں بلکہ عقل آگے بڑھ کر فیصلہ کرتی ہے کہ تاثر بلا تاثیر کے نہیں ہوسکتا۔ اثر کا وجود بغیر مؤثر کے غیر ممکن ہے۔ ہر اثر کے لئے مؤثر کا ہونا چونکہ ضروری ہے، لہٰذا پھول کی اس ذہنی تصویر کے علاوہ دماغ کی چار دیواری کے باہر خود گلاب کا پھول ٹہنی پر یقیناً موجود ہے۔

یونہی ہماری ناک جو قوت شامہ کا مرکز ہے اس کی قدرتی خاصیت یہ ہے کہ وہ خوشبو اور بدبو سے متاثر ہو۔ گلاب کے آس پاس ہونے کی صورت میں اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اس کی خوشبو سے اثر پذیر ہو لیکن یہ فیصلہ کہ اصل خوشبو قوت شامہ کے احساس سے قطع نظر کرتے ہوئے موجود ہے، اسی حقیقت شناس اور نکتہ رس، باریک بین عقل کا فیصلہ ہے جو کہتی ہے کہ کوئی اثر بغیر مؤثر نہیں ہوسکتا، لہٰذا بیرونی دنیا میں خوشبو کا وجود ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ خوشبو یا بدبو ایسی چیز نہیں ہے جو بغیر محل کے خود مستقل طور پر موجود ہوسکے۔ وہ موجود اور ضرور موجود ہے، لیکن پھول کے اندر، پھول محل ہے اور خوشبو اس کی ایک حالت ہے۔

(۷) ان کی محبت کو کس نے بھانپا؟

آم کا لفظ سن کر ذہن ایک خاص خوش مزہ پھل کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جسے عام طور سے لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔

جب دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز کسی کے کان میں آتی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ کوئی شخص گھر کے کسی آدمی سے ملنا چاہتا ہے۔ جب ٹرین آنے کا بے چینی سے انتظار کرنے والے مسافر اسٹیشن پر سگنل ڈاؤن دیکھتے تو انھیں پتہ چل جاتا ہے کہ ریل آنے والی ہے۔ جب دیوار کے پیچھے سے کسی بات کرنے والے کی آواز سنائی دیتی ہے تو یقین ہوجاتا ہے کہ کچھ لوگ وہاں آپس میں بات چیت کر رہے ہیں۔ جب آس پاس کی کسی جگہ سے دھنواں اٹھتے دکھائی دیتا ہے تو ہر شخص کو خیال ہوتا ہے کہ کہیں آگ لگ گئی ہے۔

جب کسی شخص کے کراہنے کی آواز کان سنتے ہیں تو فوراً سمجھ میں آجاتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف ہے۔ جب ناک میں بدبو آتی ہے تو ہم فوراً فیصلہ کردیتے ہیں کہ کسی کونے کھدرے میں کوئی چیز سڑ رہی ہے۔ منھ کا بدمزہ ہونا بتاتا ہے کہ بخار ہے، معدہ صحیح کام نہیں کرتا ہے، چہرے کا رنگ فق ہوجانے سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس شخص کو کوئی پریشانی ہے۔

ظاہر ہے کہ ان مقامات پر ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن بلا وجہ اور بلا سبب نہیں منتقل ہوتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ان دونوں چیزوں کے درمیان انس و محبت کا رشتہ موجود ہے۔ اس رشتہ کا وجود بیرونی دنیا میں ہے۔ ہمیں صرف اس کا علم ہوگیا ہے وہ ہمارے ذہن کا ساختہ پرداختہ نہیں ہے بلکہ اسے وجود میں لانے والی کبھی لوگوں کی قرارداد ہے، کبھی عقل اور کبھی طبیعت اور فطرت ہے۔

آم کے لفظ اور مخصوص پھل کے درمیان، دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز اور کسی شخص کے طالب ملاقات ہونے کے درمیان سگنل ڈاؤن ہونے اور ٹرین پہنچنے کا وقت نزدیک ہونے کے درمیان، کہیں سے دھواں اٹھنے اور آگ لگ جانے کے درمیان، کسی بیمار کے کراہنے اور اس کے کسی تکلیف میں مبتلا ہونے کے درمیان، کہیں سے بدبو آنے اور کسی شئ کے سڑنے کے درمیان، منہ کڑوا ہونے اور بخار چڑھے ہونے کے درمیان، چہرے کا رنگ زرد ہونے اور خوف زدہ ہونے کے درمیان ہمارے دماغوں کی چار دیواری سے باہر ضرور ایک ارتباط ہے، ہمراہی اور معیت ہے، چونکہ ہمیں اس رابطے کا علم ہے، اس لئے ہم کو جب ان میں سے ایک چیز معلوم ہوتی ہے تو فوراً دوسری چیز کی طرف ہمارا ذہن مڑ جاتا اور اس کا پتہ چل جاتا ہے۔

آم کا لفظ، دروازہ، کھٹکھٹانے کی آواز، کسی بیمار کے کراہنے کی صدا کان سنتے ہیں۔ ان کا تصور ہمارے دماغوں میں کانوں کی مدد سے آتا ہے۔ اسی طرح خود آم کے پھل کی تصویر، بیماری کی وجہ سے کسی شخص کی بے چینی کا فوٹو ہمارے ذہنوں میں آنکھوں کے ذریعہ چھپا ہے۔ سگنل کا ڈاؤن ہونا اور ٹرین کا اسٹیشن کے قریب پہنچ جانا، دھواں اٹھنا، آگ لگنا، جل کر راکھ ہوجانا، ان تمام چیزوں کا تصور بھی دماغوں میں آنکھوں سے انہیں دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ بدبو ناک محسوس کرتی ہے اور کوئی سڑی ہوئی چیز آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ منہ کے بدمزہ ہونے کو قوت ذائقہ سمجھتی ہے اور اپنے بخار میں مبتلا ہونے کو انسان اپنی بھوک پیاس کی طرح اپنے باطنی حواس کی مدد سے محسوس کرتا ہے۔ چہرے کے فق ہوجانے کو آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اور اس کے پریشان ہونے کا فیصلہ وجدان کردیتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام باتیں ہمارے ذہن میں ظاہری یا باطنی حواس کے ذریعہ آتی ہیں۔ اس کا انکار ضد اور ہٹ دھرمی ہے، منصف مزاجی کے خلاف ہے، لیکن ان مقامات پر ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن اس لئے منتقل ہوتا ہے کہ ہمارے دماغوں میں ان دو چیزوں کے درمیان رشتۂ محبت کی موجودگی راسخ اور پیوست ہے۔ یہ انس و محبت کا رشتہ یہ ان کی ہمراہی نہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز ہے نہ کانوں سے سننے کی، اسے نہ زبان سے چکھا جاسکتا ہے اور نہ جسم کے کسی حصہ سے چھوا جاسکتا ہے۔

اگر ذریعۂ علم انہی ظاہری اور باطنی حواس میں محدود ہے تو یہ رشتۂ محبت ہمارے دماغوں میں ان میں سے کس طاقت کی مدد سے آیا ہے؟

(۸) مجرم کا جاننا ضروری ہے

عدالتوں میں ججوں کے سامنے مختلف قسم کے مقدمات پیش ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کے خلاف دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے ناجائز طور پر میری زمین پر قبضہ کرلیا ہے، کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص تین سال سے میرے گھر میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتا ہے، لیکن اسے کرایہ دینے کی توفیق نہیں ہوئی۔ کبھی کوئی شخص یا خود پولیس کسی آدمی کے لئے دعویٰ کرتی ہے کہ یہ قاتل ہے اس نے فلاں شخص کو مار ڈالا ہے۔

جج دونوں طرف کے بیانات سنتا ہے۔ اس کے بعد کوئی

فیصلہ کرتا ہے۔ ملزم کو کہیں مجرم مانتے ہوئے سزا دیتا اور کہیں بری کر دیتا ہے۔

بہر حال جج اپنے فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لئے دو باتوں کا محتاج ہے۔ ایک یہ کہ جس شخص کے متعلق فیصلہ کرنا چاہتا ہے اس کا تصور کرے خواہ وہ واقعی اور حقیقی شخصیت ہو اور خواہ فرضی وخیالی۔ دوسرے خود اس فیصلے کا تصور کرے۔ بغیر اس کے جج فیصلہ نہیں کر سکتا۔

ہم بھی اپنی روزمرہ کی زندگی میں برابر مختلف چیزوں کے متعلق فیصلے کیا کرتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمیں جج نہیں کہا جاتا، ہمارا گھر عدالت کی عمارت نہیں قرار پاتا، جن امور کی بابت ہم فیصلے کرتے ہیں انہیں مقدمات کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا۔

ہم اور ہر سنجیدہ شخص فیصلہ کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی ایک چیز انسان بھی ہو اور غیر انسان بھی۔ انسان ہوگی تو غیر انسان نہ ہوگی اور غیر انسان ہوگی تو ہرگز انسان نہیں ہوسکتی۔ یونہی یہ محال ہے کہ کوئی بات ایک ہی لحاظ سے صحیح بھی ہو اور غیر صحیح بھی۔ نہ یہ ممکن ہے کہ وہ صحیح اور غیر صحیح دونوں ہو اور نہ ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں میں سے کوئی نہ ہو، نہ صحیح ہو اور نہ غیر صحیح ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں کے متعلق ہمارے دو فیصلے ہیں۔

(الف)

ایک فیصلہ یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جہاں انسان اور غیر انسان، صحیح اور غیر صحیح اکٹھا ہو جائیں۔ اسے انسان کہنا بھی ٹھیک ہو اور غیر انسان کہنا بھی۔

(ب)

اسی کے ساتھ دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ یہ بھی محال اور غیر ممکن ہے کہ کوئی شئی نہ انسان ہو اور نہ غیر انسان، کوئی بات نہ صحیح ہو اور نہ غیر صحیح۔ دونوں کے اکٹھا ہونے کی طرح دونوں کا برطرف ہونا بھی ناممکن ہے۔ کائنات عالم کی جس چیز کا بھی لحاظ فرمایئے، وہ انسان ہوگی یا غیر انسان۔

آدم وحوا کی تمام اولاد انسان۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ غیر انسان ہے۔ جانور غیر انسان ہیں، پودے غیر انسان ہیں، کنکر پتھر غیر انسان ہیں، دریا پہاڑ غیر انسان ہیں، چاند سورج غیر انسان ہیں۔ ڈھونڈ کر کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں نکالی جاسکتی جسے انسان کہنا بھی غلط ہو اور غیر انسان کہنا بھی۔

اس لق ودق، لمبی چوڑی دنیا میں، زمین اور آسمان کی ناقابل تصور وسعتوں میں کوئی ایک چیز بتایئے جہاں انسان اور غیر انسان اکٹھا ہو گئے ہوں، اپنے ظاہری اور باطنی حواس کا باریک بینی سے جائزہ لے لیجئے۔ ہمارے احساسات کی کسی طاقت نے کبھی کوئی ایسی چیز محسوس کی، آنکھوں نے دیکھی، کانوں نے سنی، ناک نے سونگھی، زبان نے چکھی، جسم کے کسی حصے نے چھوئی جسے انسان کہنا بھی صحیح ہو اور غیر انسان کہنا بھی؟

انسان اور غیر انسان کا اکٹھا ہونا، صحیح اور غیر صحیح کا اکٹھا ہونا، جانور اور غیر جانور کا جمع ہونا، درخت اور غیر درخت کا یکجا ہونا کسی نے ظاہری حواس کی مدد سے کبھی محسوس کیا ہے اور باطنی حواس کی مدد سے۔

آپ نے غور فرمایا کہ ہم ایک ہوشیار، معاملہ فہم، قابل جج کی طرح یقین کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں کہ کسی چیز کا انسان اور غیر انسان ہونا محال ہے، ان دونوں کا اکٹھا ہونا غیر ممکن ہے۔ جب آپ نے فیصلہ فرمایا ہے اس کا تصور کیا ہے۔ انسان اور غیر انسان کا اجتماع آپ کے دماغ میں پہلے آیا، اس کے بعد آپ نے اس کے متعلق کہا کہ وہ محال اور غیر ممکن ہے۔

فرمایئے اگر ہمارے تصور کا ذریعہ ظاہری اور باطنی حواس میں محدود ہے تو انسان اور غیر انسان کے اکٹھا ہونے کا تصور ہمارے دماغ میں کیونکر آ گیا؟ جب کہ اسے نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، نہ ناک نے سونگھا، نہ زبان نے چکھا، نہ ہمارے کسی حصۂ جسم نے چھوا ہے؟

(۹) ہمہ گیر اصول بنانا کس کا کام ہے؟

فرض کیجئے ایک گمّا ہمارے کمرے کی کھڑکی سے آ کر ٹکرایا

اوراس نے اس کے شیشے کو توڑ کر چکنا چور کر دیا۔ یہ ایک واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے آیا۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہمارے ذہن کو متوجہ کر دے اور ہم اسے اپنے تجربے کی بنیاد قرار دے لیں۔ اس کے بعد دوبارہ یہی منظر ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ کسی دوسرے گمّے نے کسی دوسرے شخص کے کمرے کی کھڑکی کے قیمتی شیشے کو توڑ ڈالا۔ جس طرح پہلی مرتبہ شیشے کے ٹوٹنے کی آواز ہمارے کانوں میں آئی تھی اسی طرح دوبارہ ویسی ہی صدا ہمارے کانوں نے سنی۔ ہم نے دیکھا کہ شیشے کے ٹکڑے زمین کے اوپر بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ دو واقعے بلکہ فرض کیجئے کہ ایسے پندرہ بیس واقعات ہمارے سامنے پیش آئے، لیکن وہ سب مل کر بھی اصول اور ہمہ گیر قانون بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر شیشے کو ہر جگہ اور ہر وقت گمّا توڑ کر چکنا چور کر دیتا ہے۔

ہم نے انسان کو دیکھا کہ کسی چیز کو چباتے وقت اس کا نیچے کا جبڑا ہلتا ہے۔ گھوڑے پر نظر کی اسے بھی چبانے میں نیچے کا جبڑا ہلاتے پایا۔ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس کو بھی دیکھا کہ وہ چبانے کے موقع پر اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتے ہیں، لیکن دس بیس جانوروں کے متعلق تجربہ کرنے کے بعد بھی ہمیں یہ اصول بنانے کا حق نہیں ہے کہ ہر جاندار چبانے کے وقت اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتا ہے۔

ہم نے خورشید کو دیکھا کہ بہت باتونی ہے۔ غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ بیوقوف ہے۔ پرویز کو دیکھا کہ وہ بھی ادھر ادھر کی باتیں زیادہ کرتا ہے۔ جب زرا باریک بینی سے کام لیا تو اسے بھی عقلمند نہ پایا۔ شہر یار سے سابقہ ہوا، لکھنؤ سے کانپور جانے میں خوش قسمتی یا بدقسمتی سے اس کے ساتھ رہنے کا موقع مل گیا، راستے بھر اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی رہی، وہ باتیں کر رہا تھا اور ہم اس ٹوہ میں تھے کہ اس کے پاس عقل کتنی ہے؟ کانپور پہنچتے پہنچتے اسی نتیجہ تک پہنچے کہ ان حضرت کے پاس بھی شئی لطیف کی کمی ہے۔ ایسے ہی بہت سے نمونے ہمارے سامنے آئے، جہاں ہم نے ایسا ہی پایا کہ وہ لوگ باتونی ہونے کے ساتھ احمق تھے۔ کیا ان نمونوں کی روشنی میں ہم اس اصول کے بنانے میں حق بجانب ہیں کہ ہر باتونی شخص بیوقوف ہوتا ہے۔

واضح بات ہے کہ ان مذکورہ بالا تینوں مثالوں میں ہم نے صرف چند مقامات پر ایک بات دیکھی ہے۔ کچھ خاص اوقات میں، کچھ خاص جگہوں پر، پندرہ بیس گمّوں کے لئے یہ دیکھا کہ انھوں نے اسی تعداد میں شیشوں کو توڑ ڈالا۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ نہ وقت ان اوقات میں، نہ جگہیں ان خاص جگہوں میں، نہ گمّے ان خاص گمّوں میں، نہ شیشے ان چند خاص شیشوں میں محدود ہیں، نہ توڑنے والے اشخاص ان چند لوگوں میں منحصر ہیں۔ ان میں سے ہر چیز کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں موجود ہے۔

یہی صورت دوسری مثال میں ہے۔ کوئی محقق بھی ہو وہ زیادہ سے زیادہ پانچ چھ سو جانوروں کے سلسلے میں آزمائش کر کے یہ کہتا ہے کہ وہ کوئی چیز چباتے وقت اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتے ہیں۔

ایسا ہی تیسری مثال میں بھی ہے۔ اگر کوئی شخص بہت باریک بین ہے تو وہ دو تین سو آدمیوں سے بات کر کے یہ کہے گا کہ ہر باتونی شخص بیوقوف ہوتا ہے، لیکن نہ جاندار پانچ چھ سو کی تعداد میں محدود ہیں اور نہ باتونی لوگ دو تین سو میں۔

اصول، قانون اور کلیہ بنانے کی صرف دو راہیں ہیں

۱- جس چیز کے متعلق بھی تحقیق اور جستجو کر کے کوئی ہمہ گیر فیصلہ کرنا ہے، اس کے موجودہ اور آئندہ تمام افراد کا جائزہ لے کر، ہر ہر فرد کی حالت دیکھ کر کہا جائے کہ ایسا ہے یا ایسا نہیں ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنا غیر ممکن ہے، کیونکہ اول تو ہر چیز کے وہ افراد کہ جو عالم وجود میں آچکے ہیں وہی غیر معمولی تعداد میں ہیں۔ ہر ایک کی آزمائش کہاں کی جاسکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ اگر موجودہ افراد محدود تعداد میں بھی ہوں تو صرف انہیں دیکھ کر ان اشخاص کے متعلق کوئی فیصلہ کیسے کیا جاسکتا ہے جنھوں نے ابھی عالم وجود

میں قدم نہیں رکھا اور جو فی الحال معدوم ہیں۔ محدود افراد اور اشخاص کو دیکھ کر نہ ہمہ گیر اصول بنانا صحیح ہے اور نہ کوئی سمجھدار باریک بیں آدمی اس کے صحیح اور مطابق حقیقت ہونے کا یقین کر سکتا ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ جس شخص نے بعض مواقع پر کسی چیز کے لئے جو صفت پائی ہے وہ اس کے اس صفت سے متصف ہونے کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کرے، مثلاً جب کسی شخص نے پندرہ بیس موقعوں پر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گمّے نے شیشے سے ٹکرا کر اسے چکنا چور کر دیا تو اس نے غور کرنا شروع کیا کہ گمّے کی چوٹ سے شیشے کے ٹوٹ جانے کی علت کیا ہے؟ اس غور و خوض کے نتیجے میں اسے یقین ہو گیا کہ شیشے کے گمّے سے چکنا چور ہو جانے کی علت گمّے اور شیشے کی ایسی خاصیت اور صفت ہے جو حسن اتفاق سے دس گمّوں اور شیشوں میں نہیں، بلکہ ان کی اس نوع میں پائی جاتی ہے جس کا انتہائی وسیع سایہ ان کے تمام افراد کے اوپر ہے۔ وہ کہ جو ان سب کو اپنی وسیع چار دیواری میں لئے ہوئے ہے۔

اس کے بعد عقل آگے بڑھ کر اعلان کرتی ہے کہ معلول کبھی اپنی علت سے جدا نہیں ہو سکتا۔ جہاں جہاں علت ہوگی وہاں وہاں معلول بھی ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس محقق کو یقین ہو جاتا ہے کہ تمام گمّے تمام شیشوں کو اپنے ٹکراؤ سے توڑ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ شیشے کے گمّے سے ٹوٹنے کی علت ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ یہ علت وہ صفت اور خصوصیت ہے جو گمّے اور شیشے کی نوع میں موجود ہے۔ جب بھی اس نوع کا وجود اپنے افراد کے ضمن میں ہوگا تو وہ صفت اور خصوصیت بھی اپنے موصوف کے ہمراہ ہوگی۔ اس طرح ہم ان گموں اور شیشوں کی بابت بھی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جنہیں ہم نے دیکھا نہیں ہے یا جنہوں نے ابھی عالم وجود میں قدم نہیں رکھا ہے۔ نہ کارخانوں نے ابھی وہ شیشے بنائے ہیں اور نہ بھٹوں میں وہ گمّے ڈھلے ہیں۔

اس مقام پر سوچنے کے قابل یہ نکتہ ہے کہ انسان کو یہ کیونکر پتہ چلے گا کہ گمّے کی چوٹ سے شیشے کے ٹوٹ جانے کی علت وہ صفت اور خصوصیت ہے جو دس بیس گموں اور شیوں میں نہیں بلکہ گمّے اور شیشے کی نوع اور اس ہمہ گیر مفہوم میں پائی جاتی ہے جس کے بے شمار افراد ہو سکتے ہیں۔

مذکورۂ بالا مثال میں اس ہمہ گیر اصول اور قانون کا بننا کہ ہر گمّہ ہر شیشے کو اس سے ٹکرا کر پاش پاش کر دیتا ہے، دو باتوں کے یقینی طور سے جاننے پر موقوف ہے۔ ان کی بابت یہ سمجھنا ہے کہ انہیں جاننے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے؟ کیا انسان کے ظاہری اور باطنی حواس میں سے کسی طاقت میں انہیں معلوم کرنے کی صلاحیت ہے یا ان کے علاوہ کوئی طاقت ان کا پتہ چلاتی ہے؟۔

(ا) ہم نے پہلے وضاحت کے ساتھ عرض کیا کہ ہمارے ظاہری اور باطنی حواس کا کام صرف کسی چیز سے متأثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہماری آنکھ کے سامنے جو چیزیں آتی ہیں وہ صرف ان کا فوٹو لے لیتی ہے۔ وہ کیمرے کے مانند ہے۔ کیمرے کی بس یہ خاصیت ہے کہ جو چیز اس کے سامنے آئے گی اس کا عکس کیمرے میں آجائے گا۔ اس سے زیادہ نہ کیمرا کوئی کام کرتا ہے اور نہ ہماری آنکھ۔ کسی قسم کا فیصلہ کرنا آنکھ کا عمل نہیں ہے۔ وہ نہ یہ بتاتی ہے کہ جس چیز کی میں نے تصویر لی ہے وہ ذہن کی چار دیواری سے باہر موجود ہے، وہ نہ یہ بتاتی ہے کہ تصویر صاحب تصویر کے ہو بہو مطابق ہے۔ وہ اس کے بارے میں بھی بالکل خاموش ہے کہ اس میں کسی چیز کا فوٹو چھپ جانے کا سبب کیا ہے؟ اس سے بڑھ کر اگر زیادہ باریک بینی سے دیکھا جائے تو اس حد تک کہا جا سکتا ہے کہ آنکھ خود تصویر کے خصوصیات کے بارے میں بھی ساکت ہے۔ وہ نہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جس شخص کا فوٹو اس نے لیا ہے وہ گورا اور خوبصورت ہے یا کالا اور بدصورت، جوان ہے یا بوڑھا یا بچہ، عورت ہے یا مرد؟

حضور والا! ایک دفعہ نہیں پچیس لاکھ دفعہ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ پتھر یا گمّہ کسی کھڑکی کے شیشے سے ٹکرایا

اور اس نے شیشہ کو توڑ ڈالا۔ اتنی مرتبہ یہ منظر آنکھوں کے سامنے آنے کے بعد بھی وہ بس ایک سینری بنا سکیں گی۔ یہ سینری متعدد تصویروں سے بنے گی۔ جنھیں ہماری آنکھوں نے کھینچا ہوگا، گمّے یا پتھر کی تصویر، کھڑکی اور اس میں لگے ہوئے شیشے کی تصویر، گمّے کے شیشے سے ٹکرانے کی تصویر، آخر میں چکنا چور ہو جانے کی تصویر۔

آج سے روز قیامت تک سائنسداں تجربات کرتے رہیں، آنکھیں کبھی انہیں یہ نہیں بتا سکیں گی کہ گمّے یا پتھر سے شیشے کے ٹوٹ جانے کی علت کیا ہے؟ پھر صرف حواس سے سہارا لیتے ہوئے علت کا انکشاف کر کے یہ عام اور ہمہ گیر فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں تمام پتھر تمام شیشوں سے ٹکرا کر انہیں توڑ دیتے ہیں؟

(ب) ظاہری اور باطنی حواس، آزمائشوں اور تجربات کے دائرے میں جو چیزیں داخل ہوں ان کا ایسے خصوصیات سے پیچھا چھوٹنا آسان نہیں ہے جو ان کی عمومیت اور ہمہ گیری پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ زمان و مکان، مقدار اور کیفیت ایسے ہی دوسرے خصوصیات ان چیزوں میں محدودیت پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان جب بھی ان چیزوں کو محسوس اور ان کے بارے میں تجربہ کرے تو وہ کچھ گنے چنے خصوصیات کے پائے جانے کی صورت میں ہوگا۔ انہیں تمام خصوصیات کی پوشاک اتار کر نہ محسوس کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی آزمائش کی جا سکتی ہے۔

ایک مرتبہ نہیں دس بیس مرتبہ ایک ادھا اٹھا کر کسی کھڑکی کے شیشے کی طرف پھینکئے، اسے ادھا مار کر توڑ ڈالئے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات خاص اوقات میں پیش آئے ہیں، خاص جگہوں پر رونما ہوئے ہیں۔ ادھوں نے شیشوں کو توڑا ہے۔ شیشے بھی کسی خاص کارخانے کے بنے ہوئے تھے۔ وہ کارخانے بھی کسی خاص شہر، کسی خاص ملک، کسی خاص شخص سے تعلق رکھتے تھے۔ ان ادھوں کو کچھ خاص لوگوں نے شیشوں کی جانب پھینکا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ان تجربات کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو جس چیز کے متعلق وہ کئے گئے ہیں اس کا طرح طرح کے خصوصیات سے گھرا ہوا ہونا ضروری ہے۔

ہمارے حواس کے دائرے میں ہر چیز خصوصیات سمیت آیا کرتی ہے۔ خصوصیات کا لباس اتار کر کسی چیز کا لحاظ کرنا حواس کے بس کی بات نہیں ہے۔

ہمہ گیر اصول اور قوانین بنانے کی غرض سے حواس کو پیچھے ڈھکیل کر عقل آگے بڑھتی ہے۔ وہ ان واقعات کو ایک لائن میں چنتی ہے۔ ایک ایک خصوصیت کا ہاتھ پکڑ کے ہٹاتی ہے۔ جگہ کی کوئی خصوصیت نہیں، کوئی جگہ ہو، زمانے کی کوئی خصوصیت نہیں، کوئی زمانہ ہو، مقدار کی کوئی خصوصیت نہیں، ادھا ہو اور چاہے گمّہ ہو، کارخانے کی کوئی خصوصیت نہیں، کسی کارخانہ کا تیار کردہ ہو، پھینکنے والے کی کوئی خصوصیت نہیں، کوئی پھینکنے والا ہو۔ جب عقل نے ان تمام خصوصیات کو علیحدہ کر دیا تب جا کے اصول اور قاعدہ بنایا، ہر گمّہ، ہر شیشہ کو ہر جگہ، ہر وقت خواہ اس کا پھینکنے والا کوئی ہو توڑ ڈالتا اور چکنا چور کر دیتا ہے۔

یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آج کل تمام علوم کی فہرست میں ریاضیات سب سے زیادہ بھروسے کے قابل ہیں۔ ان سے جو نتائج نکالے جاتے ہیں وہ ایسے مسائل سے بھی زیادہ قابل اطمینان ہیں جن کا تعلق حواس سے ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ریاضیات تجرباتی علوم کی مدد کے لئے نہ دوڑتے تو کبھی انسان نہ فضائی سفر کر سکتا اور نہ کرۂ ماہ تک پہنچ سکتا۔

بڑے بڑے ماہر، مشاق ریاضی داں ایک طرف اور مصنوعی دماغوں کی مشینیں دوسری طرف مدتوں پہلے اس کے انجام پانے کی غرض سے ضروری حسابات کرتی ہیں تب جا کے انسان فضائی سفر کے قابل بنتا ہے اور کرۂ ماہ کی سطح پر اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑتا ہے، لیکن اس اہمیت کے باوجود ریاضی کے تمام مسائل خالص عقلی اور ذہنی ہیں، وہ کسی لحاظ سے محسوس نہیں ہیں۔

وہ سب کے سب کچھ ذہنی مخلوق، مثلاً عدد اور اس کے مانند دوسری چیزوں کے محور پر گردش لگایا کرتے ہیں۔

(۱۰) اقرار نہ سہی تو انکار بھی نہ کیجئے

سنجیدہ اور سلیم الطبع مادہ پرست ایسی چیزوں کے وجود کا اقرار نہ کریں کہ جو غیر مادی ہیں، لیکن وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ یقیناً اس طرح کی چیزیں موجود نہیں ہیں۔ جس طرح انہیں ان کی موجودگی کا یقین نہیں ہے اسی طرح ان کی عدم موجودگی کا بھی یقین نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ احتمال ہے کہ مادی چیزوں کی طرح کچھ غیر مادی چیزیں بھی ہوں۔

صرف اس احتمال اور غیر مادی چیزوں کے موجود ہونے کے امکان نے یہ ثابت کردیا کہ قوت احساس اور تجربہ حقیقتوں کے جاننے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسی چیزیں موجود ہیں جن کا مادے اور مادیت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو ان کی شناخت حواس اور تجربے کے ذریعہ نہیں ہوسکتی۔

آپ نے غور فرمایا کہ محض یہ احتمال کہ کچھ غیر مادی چیزیں موجود ہیں ان کے لحاظ سے حواس اور تجربے کی قیمت گھٹا دیتا ہے، کیونکہ ان کا پتہ ان کے ذریعہ نہیں چل سکتا، چہ جائیکہ اہل مذہب مفکرین نے ایسے مضبوط، ٹھوس، یقینی دلائل سے جو ناقابل انکار ہیں یہ ثابت کردیا ہے کہ کچھ غیر مادی چیزیں موجود ہیں اور وہ حواس اور تجربات کے دائرے سے باہر ہیں۔

انسان اس طرح کے غیر مادی موجودات کو بھی اگر احساس اور تجربے کی مدد سے جاننا چاہے تو یہ ایسا ہی ہے کہ وہ اس بات کی کوشش کرے کہ اس مادی اور محسوس دنیا میں جو حقیقتیں موجود ہیں ان سب کو صرف اپنی آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کرے۔ سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی کسی طاقت سے کام نہ لے۔ آوازوں کو آنکھوں سے پہچانے، پھولوں کی خوشبو کا پتہ مشاہدے سے چلائے، پھلوں کی مٹھاس، کھٹاس اور کڑواہٹ کا اندازہ دیکھ کر کرے، گرمی اور ٹھنڈک کو معلوم کرنے کے لئے بھی آنکھوں سے کام لے اور جب آنکھیں ان مذکورہ چیزوں کی بابت کچھ نہ بتائیں تو سرے سے ان کے وجود کا انکار کردے۔

دوسری لفظوں میں مکرر عرض ہے کہ احساس اور تجربے کو حقیقتوں کے جاننے کا واحد ذریعہ قرار دینے والے امور کی بابت اظہار خیال کرنے کا حق نہیں رکھتے جو مادے کی چار دیواری سے باہر ہیں۔ انہیں بس ایسی چیزوں کی ریسرچ مبارک ہو جو احساس اور تجربے کے دائرے میں آسکتی ہیں۔ ایسے مسائل کہ جن کا تعلق غیر مادی چیزوں سے ہے ان کی تحقیق سائنس کی آزمائش گاہوں میں نہیں ہوسکتی۔ ان مسائل کے سلسلے میں احساس اور تجربہ کی مدد سے نہ کوئی مثبت فیصلہ ہوسکتا ہے اور نہ منفی، نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا ہے اور نہ یہ کہنا اصولاً صحیح ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ احساس اور تجربے کو موافق یا مخالف کسی فیصلے کا حق نہیں ہے۔

سائنسداں ہرگز کسی ایسی چیز کے وجود کا انکار نہیں کرسکتے جس کا انہیں احساس نہیں ہوا ہے اور جو ان کے تجربے میں نہیں آئی ہے۔ کیونکہ جس طرح ان کے پاس ایسی چیز کے ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اسی طرح اس کے انکار کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ سائنسداں کسی چیز کو معلوم کرنے کے لئے صرف قوت احساس اور تجربے سے کام لیتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے وہ ایسے امور کی شناخت سے عاجز ہیں جو ان کے دائرہ کارکردگی سے باہر ہیں۔ وہ اس طرح کے مسائل میں بس یہ کہہ سکتے اور فیصلہ کرسکتے ہیں کہ مجھے حواس اور تجربات کے ذریعہ ایسی چیزیں نہیں دستیاب ہوئی ہیں جو غیر مادی ہوں۔ یہ بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی سائنسداں یہ کہے کہ میں نے سفید رنگ نہیں سنا ہے یا گھڑی کے گھنٹے کی آواز اپنے ہاتھوں سے نہیں چھوئی ہے یا ریشم کی لطافت اور نرمی کو اپنی ناک سے نہیں سونگھا ہے!!

✡✡✡